© rasailojaraid.com

اقبالیات

تعمیرِ خودی (۲)

مدثر رشید

(۲) اجتماعی خودی کی تعمیر

خودی کے ضمن میں علامہ نے جو ایک اور غیر معمولی تصور پیش کیا وہ ان کا تصورِ بے خودی تھا۔ علامہ کے نزدیک خودی تنہا اپنی تعمیر و تشکیل کے مراحل طے نہیں کر سکتی' بلکہ اس مقصد کی خاطر اسے دوسری خودیوں کے ساتھ الحاق کرنا پڑتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ انسان کی فطرت ہے' کہ یہ تنہا نہیں رہتا' یہ لازماً کسی جماعت' کسی معاشرے' کسی قوم یا ملت کا فرد ہوتا ہے۔ چنانچہ انسان کا کمال صرف انفرادی تعمیر و تشکیل میں ہی نہیں بلکہ ایک عالمگیر ملت تشکیل دینے میں بھی ہے جس کی بنیاد 'حریت'، 'مساوات' اور 'اخوت بنی نوع انسان' پر ہو۔ علامہ اس کو یوں واضح کرتے ہیں:

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر ہر شخص ہے ملّت کے مقدر کا ستارا!

اس حقیقت کو ایک اور انداز میں یوں بیان کرتے ہیں:

فرد قائم ربطِ ملّت سے ہے تنہا کچھ نہیں موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں!

اسی طرح 'رموزِ بیخودی' جو اس موضوع پر ان کا جامع ترین مجموعہ ہے' میں بیان کرتے ہیں:

فرد را ربطِ جماعت رحمت است جوہرِ او را کمال از ملّت است

[فرد کے لیے جماعت کا ربط پیدا کرنا رحمت کا باعث ہے' اس کے تمام جوہروں کو ملت ہی کی بدولت کمال حاصل ہوتا ہے۔]

تا توانی با جماعت یار باش رونقِ ہنگامۂ احرار باش!

[تو کوشش کی آخری حد تک جماعت سے وابستہ رہ اور یوں تو آزاد لوگوں کے لیے باعث رونق بن جا۔]

حرزِ جاں کن گفتۂ خیر البشر (ﷺ) ہست شیطان از جماعت دور تر

[رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کو اپنی جان کے لیے تعویذ بنا لے کہ جماعت سے شیطان دور ہوتا ہے۔]

یہاں اقبال جماعت کے اسلامی تصور کو واضح کرتے ہیں اور رسول اکرم ﷺ کی ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہیں:

((عَلَیْکُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَاِیَّاکُمْ وَالْفُرْقَةَ' فَاِنَّ الشَّیْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ' وَھُوَ مِنَ الْاِثْنَیْنِ اَبْعَدُ))(۱)

''تم پر جماعت کی شکل میں رہنا فرض ہے' اور تم تنہا مت رہو' اس لیے کہ اکیلے شخص کا ساتھی شیطان بن جاتا ہے' لیکن اگر دو ساتھ رہیں تو وہ دور ہو جاتا ہے۔''

(۱) سنن الترمذی' ابواب الفتن' باب ما جاء فی لزوم الجماعة۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح تعمیر خودی کے لیے جماعت، قوم اور ملت کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

در دلش ذوقِ نمو از ملّت است　　احتسابِ کارِ او از ملّت است

[اس کے دل میں بڑھنے اور ترقی کرنے کا ذوق اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ ملت کی صورت میں منظم ہو جاتا ہے۔ ملت ہی اس کی سرگرمیوں کا محاسبہ کرتی ہے۔ وہی تمام گرم جوشیوں کو نظم وضبط میں رکھتی ہے۔]

پیکرش از قوم و ہم جانش زقوم　　ظاہرش از قوم و پنہانش زقوم

[اس کا وجود بھی قوم ہے اور جان بھی قوم ہے۔ اس کا ظاہر و باطن دونوں قوم ہی کے مرہونِ منت ہیں۔]

در زبانِ قوم گویا می شود　　بر رہِ اَسلاف پویا می شود

[وہ قوم کی زبان سے بولتا ہے اور بزرگوں کے راستے پر سرگرم تگ ودو رہتا ہے۔]

پختہ تر از گرمیٔ صحبت شود　　تا بمعنی فرد ہم ملّت شود

[وہ اپنے جیسے دوسرے افراد کی صحبت میں پہنچتا ہے تو اس کی برکت سے زیادہ پختہ اور پائیدار ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ حقیقتِ حال کے اعتبار سے خود ملت بن جاتا ہے۔]

علامہ کے نزدیک اس اجتماعی خودی کی تعمیر کے بھی وہی مراحل ہیں جو انفرادی خودی کی تعمیر کے ہیں، بلکہ حقیقتاً جیسا کہ اوپر بیان ہوا یہ اُسی کا ایک تسلسل ہے۔ چنانچہ علامہ اجتماعی خودی کی تعمیر میں پہلا مرحلہ مقصد کے تعین کو ہی قرار دیتے ہیں۔ اصل میں خودیوں کے الحاق کا بھی اصل سبب ان کے مقصد کا ایک ہونا ہوتا ہے۔ مختلف مقاصد کے لیے عمل پیرا خودیاں ایک دوسرے کے ساتھ نہیں مل سکتیں۔ رموزِ بے خودی کے مندرجہ ذیل اشعار مقصد کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں:

زندہ فرد از ارتباطِ جان و تن　　زندہ قوم از حفظِ ناموسِ کہن

[فرد کی زندگی جان اور جسم کے درمیان ربط و تعلق پر موقوف ہے، جبکہ قوم کی زندگی اپنے مقصد کی حفاظت پر موقوف ہے۔]

مرگِ فرد از خشکیٔ رودِ حیات　　مرگِ قوم از ترکِ مقصودِ حیات

[فرد زندگی کی ندی خشک ہوتے ہی مر جاتا ہے، جبکہ قوم اپنا مقصودِ حیات ترک کرنے کی بدولت مر جاتی ہے۔]

جب ایک مقصد اور ایک نصب العین والے اکٹھے ہو جاتے ہیں تو ان میں ایک وحدت آ جاتی ہے۔ یہی وحدت پختہ اور پائیدار ہو جاتی ہے تو ملت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

چنانچہ علامہ کے نزدیک مشترکہ نصب العین ہی امت کے درمیان وحدت پیدا کر سکتا ہے۔ انفرادی خودی کی تعمیر کی طرح مقصد کے بعد اگلا مرحلہ آرزو کا ہے۔ جب انفرادی خودیاں ایک مقصد کے تحت ایک دوسرے سے ملتی ہیں، تو پھر یہ مجموعی طور پر اس کو پا لینے کی آرزو کے ذریعے اس کے حصول کے لیے گامزن ہو جاتی ہیں۔ اس حقیقت کو علامہ 'رموزِ بیخودی' میں ہی یوں بیان کرتے ہیں:

مرگ را ساماں زقطعِ آرزوست　　زندگانی محکم از لَا تَقْنَطُوْا ست

[کیا تمہیں معلوم ہے کہ موت کا سروسامان کیا ہے؟ یہ کہ آرزو کا رشتہ کٹ جائے۔ زندگی کو مضبوط و مستحکم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنانے کا وسیلہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی بشارت 'لَا تَقْنَطُوْا' کو سامنے رکھتا ہوا کبھی مایوس نہ ہو۔]

تا امید از آرزوے پیہم است   ناامیدی زندگانی را سم است

[امید کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے دل میں پے در پے آرزوؤں کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ ناامیدی زندگی کے لیے زہر ہے۔]

نا امیدی ہمچو گور افشاردت   گرچہ الوندی' زپا می آردت

[ناامیدی انسان کو قبر کی طرح بھینچ کر رکھ دیتی ہے۔ اگر وہ الوند پہاڑ کی مانند بھی مضبوط و مستحکم ہو تو اسے چت گرا کر دم لیتی ہے۔]

ناتوانی بندۂ احسانِ اُو   نامرادی بستۂ دامانِ او

''کمزوری ناامیدی کی مرہونِ منت ہے، نامرادی اس کے دامن سے بندھی چلی آتی ہے۔''

اجتماعی خودی کی تعمیر کا اگلا مرحلہ جہدِ مسلسل ہے۔ اب اس جماعت کو بھی انفرادی خودی کی طرح ان کٹھن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور مخالف قوتوں سے ٹکر لینی پڑتی ہے جس سے انفرادی خودیاں نبرد آزمائی کر چکی ہوتی ہیں۔ علامہ اس اصول کو یوں بیان کرتے ہیں:

بانشۂ درویشی در ساز و دمادم زن   چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن!

[(بڑی قوتوں سے ٹکرانے کے لیے) پہلے درویشی کا نشہ برداشت کرنے کی ہمت پیدا کر اور پھر اس نشہ کو مسلسل پینا شروع کر دے (درویشی کی روش پر مسلسل گامزن رہ)۔ جب تو اس میں پختہ ہو جائے تو پھر ایران کے بادشاہ جمشید کی سلطنت سے ٹکر لے!]

اس موضوع پر علامہ کے چند مزید اشعار مندرجہ ذیل ہیں:

جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی   روحِ اُمم کی حیات کشمکشِ انقلاب!

نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا   کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں!

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ اُمم کیا ہے   شمشیر و سناں اوّل، طاؤس و رباب آخر!

اجتماعی خودی کی تعمیر میں اگلا مرحلہ یقین کا مرحلہ ہے جس کے حصول کے دو ذرائع علم و عشق ہیں۔ انفرادی خودی کی طرح علامہ اجتماعی خودی کے لیے بھی علم و حکمت کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں۔ اس ضمن میں وہ دو قسم کے علوم کے حصول کی تلقین کرتے ہیں۔ ایک ہے علم الاشیاء یا سائنس اور دوسرا ہے علم تاریخ۔ علم الاشیاء کے متعلق فرماتے ہیں:

کوہ و صحرا دشت و دریا بحر و بر   تختۂ تعلیمِ اربابِ نظر

[یہ پہاڑ، صحرا، دشت، دریا، تری، خشکی کیا ہیں؟ اصحابِ نظر کے لیے تعلیم کی تختیاں ہیں۔]

اے کہ از تاثیرِ افیوں خفتۂ   عالمِ اسباب را دوں گفتۂ

[اے مسلمان! تو افیون کے اثر سے سو گیا ہے۔ اس دنیا کو جو عالمِ اسباب ہے ہیچ کہتا ہے۔]

خیز و وا کن دیدۂ مخمور را   دوں مخواں ایں عالمِ مجبور را!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

[اُٹھ اور خمار آلود آنکھیں کھول، اس عالم مجبور کو ہیچ مت کہہ!]

غایتش توسیعِ ذاتِ مسلم است   امتحانِ ممکناتِ مسلم است

[اس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان کی ذات توسیع پائے اور اس کے ممکنات کی آزمائش کی جاسکے، یعنی دیکھا جاسکے کہ اس میں کتنی قوت، کتنی صلاحیت ہے۔]

علامہ اقبال کے نزدیک کسی بھی قوم کی اجتماعی جدوجہد میں علم الاشیاء حاصل کر کے کائنات کی قوتوں کو تسخیر کرنے کو سب سے زیادہ فوقیت حاصل ہونی چاہیے، کیونکہ دنیا کی قیادت وسیادت کا حصول اور اس کی حفاظت اس کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی طرح علم تاریخ کو قوم کی خودی کی حفاظت کے لیے سب سے اہم علم قرار دیتے ہیں:

چیست تاریخ اے زخود بیگانہ،   داستانے، قصہ، افسانہ؟

[اے وہ جو اپنے آپ سے بیگانہ ہے، کیا تجھے معلوم ہے کہ تاریخ کیا ہے؟ کیا یہ کہانی ہے؟ قصہ ہے یا افسانہ ہے؟]

ایں ترا از خویشتن آگہ کند   آشنائے کار و مردِ رہ کند

''یہ تجھے تیری حقیقی حیثیت سے آگاہ کرتی ہے۔ تجھے بتاتی ہے کہ کیا کچھ کرنا چاہیے۔ اس طرح تجھے صاحب عزم وہمت بناتی ہے۔]

روح راہ سرمایۂ تاب است ایں   جسمِ ملّت را چو اعصاب است ایں

[تاریخ روح کے لیے آب وتاب کا سرچشمہ ہے اور قوم کے جسم میں اسے رگ و پے کی حیثیت حاصل ہے۔]

ہمچو خنجر بر فسانت می زند   باز بر روئے جہانت می زند

[یہ پہلے تجھے تلوار کی طرح سان پر لگاتی ہے، پھر اٹھا کر دنیا کی کشمکش گاہ میں پھینک دیتی ہے کہ جو کچھ انجام دے سکتا ہے، انجام دے!]

جب کوئی قوم علم وعقل کی روشنی میں اپنے مقصد کے حصول کی طرف گامزن ہو جاتی ہے تو مقصد کے علمی و عقلی طور پر مسلّم ہونے اور اس کے لیے جدوجہد میں کی گئی پیشرفت کے نتیجے میں مقصد کے عشق سے سرشار ہو جاتی ہے۔ اس طرح یہ متحد ہو کر دیوانہ وار اس کو حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتی ہے۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے، چونکہ مقصد خود اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے، لہٰذا یہ مقصد کا عشق، عشق الٰہی بن جاتا ہے۔ مقصد کے ساتھ عشق قوم کے اوپر اسی صورت میں اثر انداز ہوسکتا اگر ان کا گہرا نفسیاتی تعلق ان کے اصل قائدین کے ساتھ جوڑ دیا جائے۔ وہ قائدین ورہنما جو ذاتی خودی کی تکمیل کے بعد اپنے آپ کو ملت میں گم کر چکے ہوں۔ اگر قوم کے ان سچے عاشقانِ حق کی بجائے کوئی اور ہیرو بنا دیے جائیں یا ان کے ساتھ تعلق کی بنیادوں کو تبدیل کر دیا جائے تو پھر مقصد کا عشق قوم پر اثر انداز نہیں ہوسکتا۔ ڈاکٹر رفیع الدین اپنی کتاب ''منشورِ اسلام'' میں قائدین کا رول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عام طور ایک نصب العین کے حسن کا ذاتی احساس کسی ایسے قائد یا راہنما کے ساتھ گہرا نفسیاتی یا روحانی تعلق پیدا کرنے سے حاصل ہوتا ہے جو اس نصب العین کی محبت سے پوری طرح سرشار ہو۔'' (۱)

---

(۱) ڈاکٹر رفیع الدین، منشورِ اسلام، قائدین کا رول۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چنانچہ اس ضمن میں علامہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مثال بیان کرتے ہیں، جو اس امت کے سچے راہنما اور پیرو ہیں، جنہوں نے اپنے آپ کو ملت میں گم کر دیا اور اس کے مقصد کی حفاظت کی خاطر جامِ شہادت نوش کیا۔ علامہ 'رموزِ بیخودی' میں فرماتے ہیں:

بہرِ آں شہزادۂ خیرُ المِلَل   دوشِ ختم المرسلیں نِعْمَ الْجَمَل

[سب سے بہتر اُمت یعنی ملت اسلامیہ کے اس شہزادے کی شان یہ تھی کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا دوشِ مبارک اس کے لیے کیا ہی اچھی سواری قرار پایا!]

سرخ رو عشقِ غیور از خونِ او   شوخیٔ ایں مصرع از مضمونِ او

[عشق غیور حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہی کے خون سے سرخرو ہوا، ان ہی کے مضمون سے اس مصرع میں شوخی پیدا ہوئی۔]

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے حق کی شیفتگی میں انتہائی ناسازگار حالات کے تحت شہادت بہ طیب خاطر قبول کر لی، اس طرح عشق غیور کے لیے سرخروئی کا سامان بہم پہنچتا ہے۔

اسی طرح جب قوم اس سلوک میں مشکلات برداشت کرتی ہے تو اس کی اپنی نسبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی جماعت یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہو جاتی ہے جو اس کی وحدت کو مزید پختہ کرنے کا باعث بنتی ہے۔ علامہ اس عشقِ رسولؐ کے بارے میں رموزِ بیخودی میں فرماتے ہیں:

عشقِ او سرمایۂ جمعیت است   ہمچو خوں اندر عروقِ ملت است

[حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق ہی ہمارے لیے یکجا رہنے کا سامان ہے۔ یہ عشق خون کی طرح ملت کی رگوں میں دوڑ رہا ہے۔]

عشق در جان و نسب در پیکر است   رشتۂ عشق از نسب محکم تر است

[عشق جان میں اتر جاتا ہے اور نسب صرف جسم تک محدود رہتا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ عشق کا رشتہ نسب کے رشتے سے زیادہ مضبوط ہے۔]

عشق کی منزل طے کرتے ہی قوم کو اپنے مقصد کے پانے کا یقین ہو جاتا ہے، جس کے بعد دنیا کی کوئی طاقت اس قوم کو سرنگوں نہیں کر سکتی۔

یقیں پیدا کر اے ناداں یقیں سے ہاتھ آتی ہے   وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری

انفرادی خودی کی تعمیر کی طرح اگر مقصد وہی ہو جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد تھا یعنی اعلائے کلمۃ اللہ تو پھر یہ قوم بھی نیابتِ الٰہی کے منصب پر فائز ہو جاتی ہے۔ اقبال مسلم قوم کو یہی درس دیتے ہیں کہ اگر اسی مقصد کے لیے ثابت قدمی سے کوشش جاری رکھیں اور کائنات کی قوتوں کو تسخیر کرتے رہیں تو ان کو نیابت الٰہی نصیب ہو جائے گی:

نائبِ حق در جہاں آدم شود   بر عناصر حکمِ او محکم شود

[کائنات کی قوتوں کو تسخیر کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آدمی کو دنیا میں خدا کی نیابت مل جائے گی اور عناصر پر اس کی حکمرانی کا سلسلہ مستحکم ہو جائے گا۔]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سلوکِ تعمیر بے خودی اور قرآن

اقبال تعمیر بیخودی یا اجتماعی خودی کے لیے بھی قرآن کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کے زوال کی سب سے بڑی وجہ قرآن سے دوری ہے۔ اپنی مشہور نظم ''جوابِ شکوہ'' میں فرماتے ہیں:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر　　اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر!

اسی ضمن میں فرماتے ہیں:

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی　　شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شدی!

[تم خوار تو ہوئے ہو قرآن کو چھوڑنے کی وجہ سے' اور شکوہ گردشِ دوراں کا کر رہے ہو!]

''رموزِ بیخودی'' میں خلافتِ مسلمہ کے زوال کا بنیادی سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت　　حُرّیت را زہر اندر کام ریخت

[جب خلافت نے قرآن سے رشتہ توڑ لیا تو آزادی کے حلق میں زہر ڈال دیا گیا' یعنی آزادی جاتی رہی۔]

چنانچہ علامہ اقبال کے نزدیک مسلمانوں کے زوال کا بنیادی سبب قرآن کو پس پشت ڈال دینا ہے۔ اس لیے وہ اُمتِ مسلمہ کی اجتماعی خودی کی تعمیر کے لیے قرآن سے دوبارہ رشتہ استوار کرنے کا درس دیتے ہیں۔ اُمتِ مسلمہ کو جھنجھوڑتے ہوئے فرماتے ہیں:

اے کہ می داری کتابش در بغل　　تیز تر نِہ پا بہ میدانِ عمل!

[اے وہ ملت کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) تیری بغل میں یعنی پاس ہے' اس کے نور سے فائدہ اٹھا اور عمل کے میدان میں قدم رکھ!]

(۳) تعمیرِ خودی: قرآن وسنت کی روشنی میں

اقبال کے تصورِ خودی کا ماخذ ان کے اپنے بقول قرآن مجید ہے۔ اسی طرح خودی کی تعمیر کے لیے واحد راستہ علامہ کے نزدیک اتباعِ رسول ﷺ کے سوا اور کچھ نہیں۔ چنانچہ ذیل میں سلوکِ تعمیر خودی کا اُسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں جائزہ لیا جا رہا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی بعثت کا مقصد کیا تھا؟ قرآن کی رو سے حضور اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت تین مقامات پر تقریباً ایک ہی الفاظ کے ساتھ دہرایا گیا ہے' سورۃ التوبہ: ۳۳' سورۃ الفتح: ۲۸ اور سورۃ الصّف: ۹۔ سورۃ الصّف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۝۹﴾

''وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے' اگرچہ مشرکین ناخوش ہوں۔''

مقصد کو پا لینے کے ساتھ ہی حضور اکرم ﷺ بحکم اللہ اس کو حاصل کرنے کی آرزو کے تحت سرگرم عمل ہو گئے۔ اس طویل جدوجہد میں آپؐ کو بہت سے دشوار اور صبر آزما ادوار سے گزرنا پڑا۔ انہیں جادوگر کہا گیا' کاہن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہا گیا، شاعر کہا گیا، پھر آپؐ پر جسمانی تشدد کی کوشش کی گئی، یہاں تک کہ آپؐ کو (معاذ اللہ!) قتل کرنے کے بھی منصوبے بنائے گئے۔ غرضیکہ اس راہ میں حائل رکاوٹیں اور مشکلات اتنی کٹھن تھیں کہ رسول اکرم ﷺ کی بھی گاہے بگاہے آیاتِ قرآنیہ کے ذریعے سے حوصلہ افزائی کی گئی۔ اس ضمن میں سب سے اہم علم جو حضور ﷺ کو دیا گیا، وہ علمِ تاریخ تھا۔ سابقہ اقوام میں سے قومِ نوح، قومِ عاد، قومِ ثمود، قومِ لوط، قومِ شعیب، اور آلِ فرعون کے واقعات قرآن میں کثرت سے نقل کیے گئے ہیں۔ سورۂ ہود میں اللہ تعالیٰ ان واقعات کا مقصد بیان فرماتے ہیں:

﴿وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ۝۱۲۰﴾

''(اے نبی ﷺ!) ہم رسولوں کے حالات میں سے ہر ایک آپ پر بیان کر رہے ہیں تاکہ ہم آپ کے دل کو مضبوط کر دیں، اور اس (قرآن) میں آپ کے پاس حق آ گیا ہے اور وہ مؤمنوں کے لیے وعظ و نصیحت (بھی) ہے۔''

ایسی بے شمار آیات قرآن میں ملتی ہیں جن کا مقصد یہی تھا کہ حضور ﷺ اس راہ میں حائل رکاوٹوں سے دل برداشتہ نہ ہوں، کہ ان کا سامنا تو تمام انبیاء ورسل ؈ کو کرنا پڑا۔ انسان کی یہ نفسیات ہے کہ ایسا کام جو اس سے پہلے کسی نے کیا ہو یا کرنے کی کوشش کی ہو تو وہ بھی اس کو کرنے میں قدرے آسانی محسوس کرتا ہے، جبکہ وہ کام جو اس سے پہلے کسی انسان نے نہ کیا ہو، اس کو کرنا یقیناً بہت مشکل امر ہوتا ہے۔ دوسری قسم کا علم جو اس ضمن میں حضور ﷺ کو دیا گیا وہ کامیابی کی بشارتوں کا غیبی علم تھا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الٓمّٓ ۝۱ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝۲ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝۳ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۭ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۴﴾ (الروم)

''ا،ل،م۔ رومی مغلوب ہو گئے قریب سرزمین میں، اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد چند سال میں غالب آ جائیں گے۔ پہلے اور پیچھے اللہ ہی کا حکم ہے، اور اُس دن مؤمن خوش ہوں گے۔''

﴿يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِــُٔـوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸﴾ (الصف)

''وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں، اور اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچانے والا ہے چاہے کافروں کو کتنی ہی کراہت ہو۔''

﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ۝۴۴ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝۴۵﴾ (القمر)

''کیا یہ کہتے ہیں ہم ایک جمعیت ہیں، ایک دوسرے کی مدد کرنے والے؟ یہ جمعیت شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر دے گی۔''

اس علم کے حصول کے بعد رسول اکرم ﷺ کو جب مقصد کے پالینے کا یقین حاصل ہو گیا تو آپؐ زیادہ تندہی کے ساتھ اس کے حصول کے لیے سرگرمِ عمل ہو گئے۔ اس مرحلے میں سابقہ انبیاء و رسل ؈ کی طرح حضور ﷺ نے بھی اپنی دعوت کے لیے تمام وسائل اختیار کیے۔ کبھی مکہ کی گلیوں اور بازاروں میں، کبھی حج کے قافلوں میں، کبھی گھر جا جا کر اور کبھی لوگوں کو گھر بلا کر۔ غرضیکہ حضور اکرم ﷺ دشمنوں کی مخالفت کے باوجود مسلسل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس راہ پر گامزن رہے۔ ابن کثیر نے بیہقی کے حوالے سے حضور ﷺ کی دعوت کا ایک واقعہ نقل کیا ہے جو اس مخصوص پس منظر کو واضح کرتا ہے جس میں حضور ﷺ اپنے مقصدِ بعثت کے حصول کے لیے سرگرم عمل تھے۔ امام بیہقی نے شعبہ کے ذریعے اشعث بن سلیم سے روایت کیا ہے کہ:

''بنی کنانہ کے ایک شخص نے بازار ذی المجاز میں رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''لوگو کہو: لا الٰہ الا اللہ! تم فلاح پا جاؤ گے''۔ اُس شخص نے یہ بھی دیکھا کہ آپؐ کے پیچھے ایک اور شخص چلا جا رہا تھا اور آپؐ پر مٹی پھینکتے ہوئے یہ کہتا جاتا تھا: ''لوگو' یہ شخص کہیں تمہیں تمہارے آباء واَجداد کے دین سے پھیر نہ دے کہ تم لات اور عزیٰ کی عبادت کرنا چھوڑ دو۔''

اسی طرح کا واقعہ طبرانی نے بھی حضرت منیب ازدی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے' وہ بیان کرتے ہیں:

''میں نے اپنے زمانۂ جاہلیت میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا' آپؐ فرما رہے تھے: ''لوگو' لا الہ الا اللہ' کہو کامیاب ہو جاؤ گے''۔ میں نے دیکھا کہ ان میں سے کوئی تو آپؐ کے چہرے پر تھوک رہا تھا اور کوئی آپؐ پر مٹی ڈال رہا تھا' اور کوئی آپؐ کو گالیاں دے رہا تھا' یہاں تک کہ آدھا دن گزر گیا۔ پھر ایک لڑکی پانی کا پیالہ لے کر آئی جس سے آپؐ نے اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں کو دھویا اور فرمایا: ''میری بیٹی! نہ تو اپنے باپ کے اچانک قتل ہونے سے ڈرو اور نہ اپنے باپ کی کسی قسم کی ذلت کا خوف رکھو''۔ میں نے پوچھا یہ لڑکی کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہیں' وہ ایک خوبصورت بچی تھیں۔'' (طبرانی' مجمع الزوائد: ۸۱/۶)

یہ اور سیرت کے بہت سے واقعات رسولِ اکرم ﷺ کی بے لوثی' آپؐ کے اپنے مقصد سے عشق اور حُبِ الٰہی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ یہاں تک کہ وہ مقام بھی آیا کہ جب رسول اکرم ﷺ کو طائف کی گلیوں میں پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود رسول اکرم ﷺ اللہ کی رضا پر راضی رہے۔ اس موقع پر رسول اکرم ﷺ کے دل سے نکلنے والی رقت آمیز دعا کتبِ سیرت میں درج ہے:

''اے اللہ! میں تجھ ہی سے اپنی کمزوری و بے بسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں۔ یا ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا بھی رب ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا کسی بیگانے کے جو میرے ساتھ سختی سے پیش آئے؟ یا کسی دشمن کے جس کو تو نے میرے معاملے کا مالک بنا دیا ہے؟ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے تو مجھے کوئی پروا نہیں۔ لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ کشادہ ہے۔ میں تیرے روئے انور کے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہو گئیں اور جس سے دنیا و آخرت کے معاملات درست ہوئے' کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے' یا تیرا عتاب مجھ پر وارد ہو۔ تیری ہی رضا مطلوب ہے یہاں تک کہ تو خوش ہو جائے۔ اور تیرے بغیر کوئی زور اور طاقت نہیں۔'' (الرحیق المختوم)

تعمیر خودی کا یہ سفر یقیناً ایک کٹھن سفر ہے' جس میں حائل رکاوٹوں کو عشق کے بغیر عبور نہیں کیا جا سکتا۔ وہی اس راہ میں ثابت قدم رہ سکتا ہے جس کا مقصود صرف اللہ کی رضا بن جائے۔ اللہ تعالیٰ اس راہ کی مشکلات کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ (البقرۃ)

''ہم تمہیں لازماً آزمائیں گے کسی قدر خوف سے' بھوک سے اور مال' جان اور پھلوں کے نقصان سے۔ اور آپ صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجیے۔''

گویا سالک کی تربیت ان مراحل سے گزرے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ خوف' بھوک' مال و جان اور ثمرات کے نقصان کو برداشت کیے بغیر کوئی سالک اس راہ میں آگے نہیں جا سکتا' بلکہ ان مصائب کا مقصد ہی یہ ہے کہ خودی کی تعمیر ہو سکے اور انسان اپنی حقیقت یعنی خلافت فی الارض کا ادراک حاصل کر سکے۔ اس راہ میں مصائب سے ڈر کر ہمت ہار جانے والوں کو قرآن منافق کہتا ہے' جن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت عذاب کی وعیدیں ہیں۔

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴿۱۱﴾﴾ (العنکبوت)

''اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں کہ زبانی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں لیکن جب اللہ کی راہ میں کوئی مشکل آن پڑتی ہے تو لوگوں کی ایذا دہی کو اللہ کے عذاب کی طرح بنا لیتے ہیں۔ ہاں اگر اللہ کی مدد آ جائے تو پکار اٹھتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہی ہیں۔ کیا دنیا جہان کے سینوں میں جو کچھ ہے اسے اللہ جانتا نہیں ہے؟ اور اللہ لازماً جان کر رہے گا ان کو بھی جو ایمان لانے والے ہیں اور ان کو بھی جو منافقین ہیں۔''

اس امتحان اور آزمائش کا عروج کب ہوتا ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾﴾ (البقرۃ)

''تو کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یوں ہی جنت کا داخلہ تمہیں مل جائے گا' حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے۔ ان پر سختیاں گزریں' مصیبتیں آئیں' ہلا مارے گئے' حتیٰ کہ وقت کا رسول اور اس کے ساتھی اہل ایمان چیخ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ اُس وقت انہیں تسلی دی گئی کہ ہاں اللہ کی مدد قریب ہے۔''

یہ وہ مقام ہے جہاں تک وہی سالک پہنچ پاتا ہے جو جذبۂ عشق سے لبریز ہو' ورنہ بہت سے تو اس سے پہلے ہی ہمت ہار جاتے ہیں۔ اگر کوئی اس مرحلہ کو عبور کر لے تو اسے یقین محکم نصیب ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں یہ موقع طائف کے مقام پر آیا' جب حضور ﷺ اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن دعا کے اختتام پر جب آپؐ نے اللہ کی رضا میں اپنی رضا کا اقرار کیا تو آپؐ کامیاب ہو گئے۔ یہ وہ مقام تھا جب باقاعدہ اللہ تعالیٰ کی مدد ملک الجبال کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ پھر اس واقعہ کے کچھ ہی عرصہ بعد معراج کا واقعہ پیش آیا جس میں رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی آیات کا مشاہدہ کروایا گیا۔ یہی آپؐ کی زندگی کا مقام تھا جہاں آپؐ نے یقین کی بلند ترین منازل طے کیں۔ اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کبھی بھی پریشان نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئے، بلکہ اہل ایمان کو تسلیاں دیتے رہے۔ لیکن اس مقام سے پہلے آپؐ کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات پر واضح کیا ہے:

﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝۳﴾ (الشعراء)

''کیا آپ اپنے آپ کو ہلاک کر لیں گے اس غم میں کہ یہ ایمان نہیں لاتے!''

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝۶﴾ (الکهف)

''تو کیا آپ اپنی جان کو ان کے پیچھے غم سے ہلاک کر دیں گے، اگر وہ اس بات پر ایمان نہیں لاتے!''

﴿فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۸﴾

''پس اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، پس آپ کی جان ان پر افسوس کرتے ہوئے ہلاک نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔''

جیسا کہ پہلے بیان ہوا حضور اکرم ﷺ کو تربیتِ خودی کی شاید ضرورت نہ تھی، لیکن حضور اکرم ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ نے تعمیر خودی کے ان کٹھن مراحل سے گزارا جن میں آپؐ کو ان تمام بشری تقاضوں کے ساتھ گزرنا پڑا جو کسی بھی عام انسان کو لاحق ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو آپ ﷺ کا اُسوہ قیامت تک کے آنے والے انسانوں کے لیے بہترین اُسوہ قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔

اسی طرح انفرادی طور پر خودی کی تعمیر کے ساتھ ساتھ حضور اکرم ﷺ نے مسلمانوں کی اجتماعی خودی کی تعمیر کے لیے ان کو ایک جماعت کی صورت میں منظم کیا۔ حضور اکرم ﷺ کے طے کردہ مقصد کے حصول کے لیے اصحابِ رسول ﷺ ابتداءً قرآن کے استدلال اور الصادق والمصدوق ﷺ کی گواہیوں پر ساتھ دینے کے لیے تیار ہوئے، اور اس کے بعد اس راہ میں جہاد کرنے کے نتیجے میں انہیں اس مقصد سے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے عشق ہو گیا۔ پھر انہوں نے بھی دیوانہ وار حضور ﷺ کے شانہ بشانہ کٹھن مراحل کو طے کیا، یعنی ان کو اجتماعی خودی کی تعمیر کے لیے بھی وہ تمام مراحل طے کرنے پڑے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۴ بھی اس سلوک کو واضح کر رہی ہے کہ اجتماعی خودی کی تعمیر کے لیے حضور ﷺ کی جماعت کو مشکلات، مصائب اور دشمنانِ اسلام کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا، یہاں تک کہ ایسے مقامات بھی آئے جب اہل ایمان کو ہلا مارا گیا اور ان کے پاس اللہ کو پکارنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ جیسا کہ غزوۂ احزاب کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کے احوال کا نقشہ سورۃ الاحزاب میں کھینچا ہے:

﴿اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝۱۰ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝۱۱﴾

''جب وہ تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے سے تم پر آ گئے اور جب آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے مونہوں تک آ گئے اور تم اللہ پر مختلف قسم کے گمان کرنے لگے۔ تب مؤمنوں کو آزمایا گیا اور وہ ہلا مارے گئے جیسا کہ شدت سے ہلایا جاتا ہے۔''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن اس سب کے باوجود اہل ایمان کے یقین میں اضافہ ہوتا چلا گیا' یہاں تک کہ انہوں نے اپنا مقام یعنی منصب خلافت پہچان لیا۔ اپنی خودی کو پہچاننے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حکومت وسیادت کو ملک لوٹنے اور اپنی خواہش نفس کی تسکین میں نہیں لگایا بلکہ ناانصافی' ظلم اور بربریت سے بھری دنیا کو امن کا گہوارہ اور جنت فی الارض بنا کر دکھا دیا۔ یہی عرفانِ خودی کا صحیح نتیجہ اور انسان کے اصل مقام یعنی منصب خلافت کا مظہر تھا۔ غرضیکہ اگر قرآن اور سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علامہ اقبال نے تعمیر خودی کی منازل جن مآخذ سے اَخذ کیں ان میں انہی کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ پھر یہ ان کے فلسفہ کے صحیح ہونے کی سب سے بڑی وجہ بھی ہے کہ انہوں نے اگر چہ اپنے فلسفہ کے خدوخال کو جدید انداز میں پیش کیا لیکن اس کا خاص خیال رکھا کہ یہ فلسفہ قرآن وسنت کے مسلمہ اصولوں کے ساتھ نہ ٹکرائے جو سراسر برحق ہیں۔

(۴) سلوکِ تعمیرِ خودی اور علامہ اقبال

علامہ کے نظریہ تعمیر خودی کی منازل سمجھنے کے بعد یہ سوال اٹھتا ہے کہ جس شخص نے خودی کے اس بحر بیکراں میں غوطہ لگا کر یہ جوہر حاصل کیا اس نے اپنی خودی کو بھی اس سلوک پر چلایا کہ نہیں؟ اور اگر چلایا تو اس کو کیا حاصل ہوا؟ اس لحاظ سے علامہ نے اپنی کمزوریوں کا خود بھی اعتراف کیا ہے: ۔

اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے ۔۔۔ گفتار کا یہ غازی تو بنا کردار کا غازی بن نہ سکا

لیکن حقیقت یہ ہے کہ علامہ کی طرح جتنے بھی مفکران سے پہلے گزرے ہیں' ان کے ہاں بھی ہمیں عملی میدان میں کچھ کمی نظر آتی ہے۔ اور یہ بات بعید از قیاس بھی نہیں' اس لیے کہ انسان کے اندر پیدائشی طور پر بہت سی کمزوریاں ہیں۔ پھر اس کے پاس زندگی بھی بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ اس عرصے میں کوئی فکری سطح پر کارہائے نمایاں سرانجام دینا چاہتا ہے تو اسے زندگی کا ایک بڑا حصہ اسی کوشش میں لگانا پڑتا ہے۔ اس صورت میں اگر وہ عملی میدان میں بھی اسی طرح تندہی کے ساتھ کارہائے نمایاں سرانجام دینا چاہے بھی تو ایسا کرنا اس کے لیے ممکن نہیں رہتا۔ اس کے برعکس اگر کوئی کسی مرتب شدہ فکر کو لے کر عملی میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دیتا ہے تو فکری سطح پر نمایاں مقام حاصل نہیں کر پاتا۔ اسلامی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ ایک طرف تو ائمہ اربعہ' ائمہ حدیث اور مجددین کرام کی علمی وفکری مساعی ہے تو دوسری طرف طارق بن زیاد' محمد بن قاسم' صلاح الدین ایوبی وغیرہم کا عملی جہاد ہے۔ چند استثناءات کے علاوہ ہمیں زیادہ تر یہی ترتیب انسانی تاریخ میں ملتی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فکری میدان کی شخصیات کے دل میں عملی جدوجہد کرنے کا جذبہ ہی نہ ہو۔ علامہ اقبال یقیناً قلم وقرطاس کے شہسوار تھے' لیکن ان کے دل میں عملی جدوجہد کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ان کا یہی موقف تھا کہ انسان اپنی بساط کے مطابق عملی کوشش تو کرتا رہے' لیکن اگر اس کام کی وہ اہلیت اور ہمت نہ پاتا ہو تو اسے اللہ تعالیٰ سے التجا کرنی چاہیے۔ اس کے نتیجے میں یا تو اللہ تعالیٰ اسے اس کام کی توفیق عطا فرما دے گا یا پھر اس کی اس تڑپ کو ایسی نوا بنا دے گا جو پھر ہزاروں لاکھوں لوگوں کے دلوں کو تڑپا دے گی۔ اقبال اپنی اس کیفیت کو ''بالِ جبریل'' میں یوں بیان کرتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا عشق ایک زندگیٔ مستعار کا! کیا عشق پائدار سے نا پائدار کا!
وہ عشق جس کی شمع بجھا دے اجل کی پھونک اس میں مزا نہیں تپش و انتظار کا!
میری بساط کیا ہے؟ تب و تابِ یک نفس! شعلہ سے بے محل ہے الجھنا شرار کا
کر پہلے مجھ کو زندگیٔ جاوداں عطا پھر ذوق و شوق دیکھ دلِ بے قرار کا!

اور اگر یہ ممکن نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ سے وہ یہ فریاد کرتے ہیں کہ:

کانٹا وہ دے کہ جس کی کھٹک لازوال ہو یارب وہ درد جس کی کسک لازوال ہو!

اقبال اسی نوا اور ''بانگِ درا'' کے لیے مشہور نظم ''شکوہ'' میں یوں دعا گو ہیں:

چاک اس بلبلِ تنہا کی نوا سے دل ہوں جاگنے والے اسی بانگِ درا سے دل ہوں
یعنی پھر زندہ نئے عہدِ وفا سے دل ہوں پھر اسی بادۂ دیرینہ سے پیاسے دل ہوں
عجمی خُم ہے تو کیا' مے تو حجازی ہے مری نغمہ ہندی ہے تو کیا' لے تو حجازی ہے مری

ع ''دِل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے!'' یہ دُعا یقیناً قبول ہوئی اور ان کی نوا لاکھوں لوگوں کے دلوں کو گرما گئی اور گرما رہی ہے۔ یہاں بھی علامہ اقبال نے ایک اور غیر معمولی تصور پیش کیا ہے کہ عشق کبھی ختم نہیں ہوتا' وہ اپنا اثر دکھا کر رہتا ہے۔ اگر سالک عشق سے سرشار ہو جائے تو یا تو وہ اپنے مقصد کو پالیتا ہے' اور اگر نہ بھی پا سکے تو یہ عشق ایک ایسی درد بھری نوا کی صورت میں ظہور پذیر ہوتا ہے جو آنے والے وقتوں میں کئی لوگوں کو اس مقصد کی خاطر سرگرمِ عمل کرنے کا موجب بن جاتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا عشق ہی تھا جس کا ظہور سب سے پہلے ان کی ذات میں ہوا' اور پھر اس نے جماعت' حکومت' ریاست اور پھر تہذیب کا روپ دھار کر ایک ہزار سال کی تابناک تاریخ لکھ ڈالی۔ لیکن آج اس دور میں جب مسلمان مغلوب ہو چکے تو کیا یہ عشق ختم ہو گیا؟ نہیں' بلکہ آج بھی کوئی مسلمان' عجمی ہو یا عربی' طائف کا واقعہ سنتا ہے تو اس کے دل کے تار چھڑتے ہیں کہ نہیں؟ جی ہاں' آج بھی یہ عشق اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کا موجب بن رہا ہے اور عنقریب اس عشق کا ظہور اسلام کے آفاقی غلبے کی صورت میں ہو کر رہے گا۔

بہر حال علامہ اقبال نے عملی میدان میں جو اہم کام سرانجام دیے ان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں سب سے اہم ان کا اپنے مقصد یعنی اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ایک جماعت 'جمعیت شبان المسلمین ہند' کا قائم کرنا تھا' جس کی بنیاد انہوں بیعت کی اساس پر رکھی تھی۔ لیکن اس اہم اقدام کے باوجود وہ اپنی طبعی کمزوریوں اور چند دیگر وجوہات کی بنا پر اس میں زیادہ پیشرفت نہ کر سکے۔ اس کے علاوہ مسلم لیگ میں ایک فعال کردار' اہم مسلم سیاسی و سماجی شخصیات کو لکھے گئے خطوط' جدید اسلامی فقہ کو مرتب کرنے کی کاوش اور مولانا مودودیؒ جیسی فعال اسلامی انقلابی شخصیت کی صلاحیتوں کو جانچ کر انہیں دہلی سے پنجاب میں لانے پر آمادہ کرنا' ان کے ایسے عملی اقدامات ہیں جن سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ان کی وہ مساعی جس نے لاکھوں لوگوں کے دلوں کو گرما کر رکھ دیا ان کی وہ نوا تھی جو ان کی امت مسلمہ کے لیے گہرے درد اور عشق الٰہی و عشق رسولؐ کے جذبات سے سرشار ہو کر نکلی اور جس نے مسلمانوں کے سینوں کو گرما دیا اور اب بھی مسلسل گرما رہی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۵) حاصل کلام

حاصل کلام یہ کہ علامہ اقبال کا بنیادی تصور جس پر انہوں نے اپنے فکر و فلسفہ کو استوار کیا تصورِ خودی تھا۔ علامہ کے نزدیک خودی سے مراد ہر چیز کی وہ اصل ہے جس پر اسے تخلیق کیا گیا ہے۔ شیر کی اصل اس کی صفات دلیری، خودداری، گوشت خوری اور خون خواری ہی ہیں، اور شیر اُس وقت تک شیر رہتا ہے جب تک وہ ان صفات کا حامل رہتا ہے، لیکن اگر یہی شیر بھیڑوں کی سی خصلت اختیار کر لے تو دیکھنے میں تو یہ شیر ہوگا لیکن حقیقتاً بھیڑ بن جائے گا۔ یہی معاملہ علامہ کے نزدیک کائنات کی ہر جاندار و بے جان چیز کا ہے۔ گویا بحیثیت مجموعی اس کُل کائنات کی اصل بھی اس کی خودی ہی ہے۔ یہاں سے علامہ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ انسان بھی اصل میں یہ گوشت پوست کا انسان نہیں بلکہ اس کی انسانیت اس کی خودی میں پنہاں ہے۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ انسان کی خودی بندۂ مومن کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتی جس کا کامل اور اکمل نمونہ حضور اکرم ﷺ کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے سامنے پیش کر دیا۔ یہ ایک غیر معمولی تصور تھا، کہ انہوں نے اس مسئلہ کا حل اپنے ذہن سے تلاش کرنے کی بجائے وحی الٰہی کی روشنی میں تلاش کیا۔ یہ بات اپنی جگہ پر درست ہے کہ فلسفۂ خودی جس کو علامہ نے اپنے تصورِ خودی پر استوار کیا، بلاشبہ ایک جامع فلسفہ ہے، جس کے اثرات فلسفہ، نفسیات اور حیاتیات کی دیگر شاخوں تک پڑتے ہیں، نہایت اہم ہے اور اس پر ابھی کافی کام کرنا باقی ہے۔ لیکن ان کا وہ تصور جو اس تصورِ خودی پر ہی استوار ہوا اور جس کو انہوں نے اُمتِ مسلمہ کی عملی راہنمائی کے لیے پیش کیا، یعنی تعمیر خودی کا انقلابی تصور، اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ علامہ کے نزدیک یہ اُمت اور اس کا ہر فرد اپنی خودی کھو چکا ہے۔ اس لیے علامہ نے اس خودی کی تعمیر کے لیے فقر، خودداری، مشکل کوشی، بہادری، علم، عشقِ الٰہی، عشقِ رسولؐ اور یقینِ محکم جیسی صفات اپنانے کی تلقین کی۔ وہ سلوک جن سے ان صفات کو اپنایا جا سکتا ہے اس کے نقوش ان کے پورے کلام میں بآسانی تلاش کیے جا سکتے ہیں۔ اس سلوک میں علامہ کے نزدیک سب سے پہلی منزل مقصد کا تعین ہے۔ انسان بے شمار صلاحیتیں اپنے اندر رکھتا ہے۔ مقصد جیسا ہوگا اسی نہج پر انسانی خودی کی تعمیر ہوگی اور اسی سے متعلق صفات انسان میں پروان چڑھیں گی۔ ان کے نزدیک چونکہ انسانِ مطلوب رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے اس لیے وہ آپؐ ہی کے مقصد یعنی اعلائے کلمۃ اللہ کو اپنانے کی تلقین کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک اسی مقصد کے تحت انسان کی صحیح نہج پر تربیت ہوسکتی ہے اور وہ اپنا اصل مقام حاصل کر سکتا ہے۔ مقصد کے صحیح تعین کے بعد اگلا مرحلہ علامہ کے نزدیک اس مقصد کو پا لینے کی آرزو کو دل میں پالنے کا ہے۔ اس سے اگلا مرحلہ اس مقصد کو پانے کے لیے جہاد کرنے کا ہے۔ یہ ایک طویل اور کٹھن مرحلہ ہے جس میں سالک کو مشکلات، مصائب، دشمنوں کی مزاحمت، بھوک، خوف اور وسائل کی قلت جیسے حالات سے گزرنا پڑتا ہے۔ خودی کی صحیح معنوں میں تعمیر بھی ان ہی کٹھن حالات سے گزرنے کے نتیجے میں ہوتی ہے۔ اس جدوجہد میں جو مشکلات اور مصائب درپیش آتی ہیں ان کا مقابلہ یقین محکم کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ یقین محکم اقبال کے نزدیک دو ذرائع سے حاصل ہوتا ہے، پہلے علم و عقل اور پھر عشق و جنون۔ سالک علم و عقل کے ذریعے مقصد کا صحیح تعین اور اس کو پا لینے کے ضمن میں ابتدائی طور پر کچھ یقین تو حاصل کر سکتا ہے لیکن یقین محکم عشق و جنون کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ اقبال کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نزدیک اگر سالک اس راہ میں ڈٹا رہ جائے تو سالک کو مقصد سے عشق ہو جاتا ہے' اور پھر وہ دیوانہ وار اس کے حصول کے لیے گامزن ہو جاتا ہے۔ اگر سالک اس مرحلہ عشق پر پہنچ جائے تو دنیا کی کوئی طاقت اب اسے مقصد کے حصول سے نہیں روک سکتی۔ یہ عشق وجنون ایک عظیم طاقت ہے جس کے بغیر تعمیر خودی کی منازل طے کرنا ممکن نہیں۔ جب سالک جذبہ عشق سے سرشار ہو کر اس راہ پر گامزن رہتا ہے تو اسے اس کو پا لینے کا یقین نصیب ہو جاتا ہے' اور اگر ایسا ہو جائے تو اس کی خودی اپنا اصل مقام پانے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ علامہ کے نزدیک سالک کا انسانِ مطلوب اگر بندۂ مؤمن اور مقصد اعلائے کلمۃ اللہ تھا تو اس مقام سے آگے وہ منصبِ خلافت پر فائز ہو جاتا ہے جو انسانیت کی معراج ہے۔ جو جس بہتر انداز میں اس سلوک کی منازل کو پار کرتا ہے وہ اتنا ہی زیادہ اپنی حقیقت سے آشنائی حاصل کر پاتا ہے۔ لیکن اگر مقصد کا تعین صحیح نہ ہو تو انسان اپنی کچھ صلاحیتوں سے آشنائی تو حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے' لیکن اپنے اصل مقام یعنی منصب خلافت سے روشناس نہیں ہو سکتا۔

ایک اور غیر معمولی تصور جو علامہ نے پیش کیا وہ ان کا تصورِ بےخودی تھا۔ ان کے نزدیک خودی تنہا رہ کر اپنی تعمیر نہیں کر سکتی بلکہ اسے اس کے لیے اپنی جیسی خودیوں سے الحاق کرنا پڑتا ہے' جو ایک ہی مقصد کے تحت ایک دوسرے سے منسلک ہو جاتی ہیں۔ اجتماعی خودی کو بھی پھر اسی سلوک پر چلنا پڑتا ہے جس کے ذریعے انفرادی خودی کی تعمیر ہوئی تھی۔ اس کی تعمیر کی منازل بھی مقصد' آرزو' جہاد' علم' عشق اور یقین ہیں۔ اس کے نتیجے میں ایک ایسی جماعت ترتیب پاتی ہے جو اجتماعی طور پر منصب خلافت پر فائز ہو جاتی ہے۔ گویا خودی کی تعمیر کا یہ سلسلہ پہلے فرد سے شروع ہوتا ہے اور پھر اگلے مراحل میں جماعت' حکومت' ریاست' سلطنت اور تہذیب کی تعمیر تک جاری رہتا ہے۔ علامہ کے انسانِ مطلوب یعنی رسول اکرم ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں اس تعمیر کے مراحل اور اس کے نتائج کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضور اکرم ﷺ کی ذات سے تعمیرِ خودی کا آغاز کیا' اور پھر یہ طویل عمل مراحل طے کرتے ہوئے پہلے اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کی جماعت کی صورت میں ظاہر ہوا اور پھر آگے چل کر ایک عظیم سلطنت اور تہذیب کی صورت اختیار کر گیا۔

اقبال شناسی سے جو بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اقبال جمودی طرزِ فکر کے سخت مخالف تھے۔ ان کا سارا کلام حیات' حرکت' انقلاب' تبدیلی' بیداری' جذبہ' جنوں اور عشق جیسے حرکی تصورات سے لبریز ہے۔ لیکن آج صورت حال یہ ہے کہ ان پر کیا جانے والا کام صرف فلسفہ خودی' ماہیت خودی' اسلامی فکر کی تشکیل جدید' اور علم الکلام کی بحثوں تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ اور یہ علمی کام بھی' جیسا کہ بیان ہوا' صحیح نہج پر نہیں ہو رہا۔ یقیناً فلسفہ خودی اور اس کے دیگر فلسفوں پر پڑنے والے اثرات کا جائزہ لینے کے لیے اقبالیات میں ابھی بہت سا کام کرنا باقی ہے' اور اس پر علمی اور تحقیقی کام بھی چلتے رہنا چاہیے' لیکن اقبال کا عملی پیغام جس کے ذریعے وہ اُمتِ مسلمہ اور اس کے ہر فرد کے اصل کردار کی ازسرِنو تعمیر کے خواہاں تھے' کو یکسر فراموش کر دیا گیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ تعمیرِ خودی کے سلوک کو جس کے نقوش علامہ کے کلام میں ملتے ہیں' مزید واضح طور پر مرتب کیا جائے' تاکہ اس کے ذریعے سے اُمتِ مسلمہ کی انفرادی اور اجتماعی خودی کی ازسرِنو تعمیر کا کام سرانجام دیا جا سکے۔

❁❁❁

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com